طائف کا مظلوم مبلغ (ﷺ)

مولانا محمد غیاث الدین حسامی
فاضل جامعہ اسلامیہ دار العلوم حیدر آباد دکن، انڈیا

دعوتِ دین اور اشاعتِ اسلام ایک اہم فریضہ ہے، اُمتِ محمدیہ کی فلاح و کامیابی اسی میں مضمر اور پوشیدہ ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ جب تک اُمتِ مرحومہ نے اس فریضہ کو بحسن وخوبی ادا کیا، کامیابی و کامرانی ان کی حلیف رہی، عروج واقبال مندی ان کے ہم آغوش رہی، اور جب بھی اُمتِ مرحومہ نے اس فریضہ کی ادائیگی میں سستی اور سہل انگاری کا مظاہرہ کیا، ذلت و ناکامی کی عمیق کھائیوں میں جاگری، شکستہ مائی اور زبوں طالعی اس کا مقدر ہوئی۔

دین کی دعوت اور اسلام کی نشرو اشاعت کے لیے مسلسل جدو جہد اور پیہم قربانیوں کی ضرورت پڑتی ہے، جب تک اس مہتم بالشان عمل کے لیے قربانی نہیں دی جائے گی، یہ عمل مطلوبہ حد تک نتیجہ خیز اور بارآور ثابت نہیں ہوسکتا۔ آپ ﷺ کی پوری زندگی اُمت کے لیے مشعلِ راہ ہے، آپ ﷺ کی زندگی کا ایک اہم پہلو بلکہ آپ ﷺ کی زندگی کا بنیادی مقصد دین کی دعوت اور پیامِ حق کو پوری انسانیت تک پہنچانا تھا، آپ ﷺ نے اس عمل کے لیے کتنی قربانیاں دی ہیں؟ اور اس راہ میں کتنی مشقتیں اور مصیبتیں جھیلی ہیں، اس کے لیے طائف کا دعوتی سفر ہمارے لیے انمول اور قابلِ تقلید ہے۔

نبوت کا دسواں سال جس کو عام الحزن یعنی غم کا سال کہا جاتا ہے، اسی سال ہمارے پیارے نبی ﷺ کے مشفق چچا ابوطالب اور وفا شعار رفیقۂ حیات حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا تھا، چچا ابوطالب کے انتقال پر آپ ﷺ بہت زیادہ مغموم ہوئے، کیونکہ ابوطالب کفارِ مکہ کے مقابلہ میں نبی کریم ﷺ کا دفاع کررہے تھے، ایک تو ظاہری اسباب کے دائرہ میں چچا ابوطالب کی حمایت و مدد اُن کے انتقال کے وجہ سے ختم ہوچکی تھی، دوسرے چچا ابوطالب کا انتقال کفر پر ہوا، اس کا بھی آپ ﷺ کو بہت قلق تھا، پھر تھوڑے ہی دنوں بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا جو نہ صرف آپ ﷺ کی بیوی

تھیں، بلکہ حق کی آواز، سب سے پہلے لبیک کہنے والی اور گلشنِ اسلام کی پہلی کلی تھیں، جب کبھی آپ ﷺ کفار ومشرکین کی ایذا رسانی سے ملولِ خاطر ہوتے تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی غمگسار ہوتیں اور آپ ﷺ کو تسلی دیتیں۔ ان دونوں شخصیات کی وفات کے ساتھ ہی کفارِ مکہ کے ظلم وستم کا بادل آپ ﷺ پر پیہم برسنے لگا، طاغوتی طاقتوں نے مکر وفریب کے ترکش خالی کرنا شروع کردیے، قریش کا یہ غیر انسانی اور بہیمانہ سلوک نہ صرف پیغمبر اسلام ﷺ کے ساتھ تھا، بلکہ وہ تمام مسلمانوں کے ساتھ یہی سلوک روا رکھتے تھے، ان میں آپ ﷺ کا چچا ابولہب اور اس کی بیوی ام جمیل، حکم ابن ابی العاص، عقبہ ابن ابی معیط اور اس کے ساتھیوں نے دوسروں کے مقابلے بہت زیادہ ایذاء وتکلیف پہنچائی۔

ابولہب آپ ﷺ کا حقیقی چچا تھا، مگر حضور اقدس ﷺ کا سخت دشمن تھا۔ ہر لمحہ آپ ﷺ کو تکلیف دینے کے درپے رہتا، موسم حج ہو یا مکہ کا بازار جہاں بھی آپ ﷺ کو دین کی تبلیغ کرتے ہوئے پاتا آپ ﷺ کو پیچھے سے آواز لگاتا اور کہتا کہ: لوگو! یہ شخص بددین اور جھوٹا ہے، اس کی باتوں میں مت آؤ، اور دوسروں کو آپ ﷺ کے خلاف بھڑکاتا، چنانچہ قریش آوارہ لڑکوں اور اپنے اوباش غلاموں کو آپ ﷺ کے راستے پر بٹھا دیتے اور جب آپ ﷺ اس راستے سے گزرتے تو سب آپ ﷺ کے پیچھے لگ جاتے، آپ ﷺ کا مذاق اُڑاتے، آپ ﷺ پر طعنے کستے، ان ہی حالات کی وجہ سے مکہ کی سرزمین آپ ﷺ پر تنگ ہوگئی، آپ ﷺ نے یہ دیکھا کہ نبوت کا بادل پیہم برس رہا ہے، لیکن مکہ کی سرزمین بنجر اور غیر صالح ثابت ہورہی ہے، اسی لیے آپ ﷺ نے طائف کا رخ کیا جو آبادی اور خوشحالی کے اعتبار سے مکہ کے بعد دوسرے نمبر پر تھا، جیسے مکہ ہبل کی عبادت کا مرکز تھا تو طائف میں لات کی پوجاپاٹ ہوتی تھی۔

خاندانِ بنو ہاشم کی طائف میں رشتہ داریاں تھیں، چند قبیلوں کو رسول اللہ ﷺ کے ماموؤں کا خاندان کہا جاتا ہے، مکہ کے اہلِ ثروت تجارت اور گرمیاں گزارنے طائف آیا کرتے تھے۔ زرخیز زمین، خوبصورت موسم اور باغات کی کثرت کی وجہ سے یہاں کے باشندے کافی خوش حال تھے، مگر رسول اللہ ﷺ نے یہ سفر نہ وہاں کے باشندوں کی خوش حالی اور زرخیزی سے متاثر ہوکر کیا تھا اور نہ ہی آپ ﷺ اپنے ننھیالی رشتہ داروں سے ملنے اور خوشگوار موسم سے لطف اندوز ہونے آئے تھے، بلکہ آپ ﷺ نے یہ سفر پیدل چلتے ہوئے خالص توحید کے پیام کو عام کرنے اور انسانیت کو کفر وشرک کے ظلمات سے نکال کر ایمان ویقین کے روشنی سے منور کرنے کے لیے کیا تھا اور اس اُمید سے آئے تھے کہ یہاں کے لوگ پیامِ توحید قبول کرلیں اور آپ ﷺ کو محفوظ ٹھکانہ دے دیں، مگر طائف والوں نے

آپ ﷺ کے ساتھ وہ سلوک کیا جس کی اہلِ مکہ کو بھی جرأت نہیں ہوئی تھی۔

طائف کا دن آپ ﷺ کی زندگی کا سخت ترین دن تھا، چنانچہ صحیحین میں ہے کہ ایک مرتبہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سوال کیا: یا رسول اللہ! آپ کی زندگی میں اُحد سے بھی زیادہ سخت ترین دن کوئی گزرا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں عائشہ! طائف کا دن بڑا سخت ترین دن تھا جب میں نے اپنے آپ کو وہاں کے سرداروں کے سامنے پیش کیا تھا۔

طائف مکہ مکرمہ سے ۱۲۰ رکلومیٹر کے فاصلے پر مشرقی جانب اور سطح سمندر سے تقریباً ہزار فٹ کی بلندی پر واقع ہے، اس سفر میں آپ ﷺ نے اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو ساتھ رکھا۔ اسلام کی تبلیغ کے لیے جب وہاں کے سرداروں سے آپ ﷺ نے ملاقات کی جو آپ ﷺ کے ننھیالی رشتہ دار بھی تھے، ان دنوں طائف میں عمرو بن عمیر بن عوف کے تین لڑکے عبد یالیل، مسعود اور حبیب بنوثقیف کے سردار تھے، آپ ﷺ نے مذکورہ بالا تینوں سرداروں سے ملاقات کی اور انہیں اسلام کی دعوت دی اور اپنی مدد کی درخواست کی، آپ ﷺ نے مسلسل دس دن وہاں قیام کر کے ان کو سمجھانے کی پوری کوشش کی، کفر وشرک چھوڑ کر ایمان کی طرف آنے کی دعوت دی، لیکن ان تینوں نے نہایت گستاخانہ جواب دیا۔

ایک نے کہا: تمہارے سوا اللہ کو اور کوئی نہ ملا جسے نبی بناتا؟ دوسرے نے کہا: کعبۃ اللہ کی اس سے بڑی اور کیا توہین ہوگی کہ تم سا شخص پیغمبر ہو؟ تیسرا بولا: میں تم سے ہرگز بات نہ کروں گا، اگر تم سچے ہو تو تم سے گفتگو خلافِ ادب ہے اور اگر جھوٹے ہو تو گفتگو کے قابل نہیں۔ مذکورہ سرداروں نے نہ صرف ہدایت کو قبول نہیں کیا، بلکہ آپ ﷺ کو یہ حکم بھی دیا کہ بہت جلد آپ یہ بستی چھوڑ دیں۔ ان بدبختوں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا، طائف کے بدمعاشوں اور اوباشوں کو آپ ﷺ کے پیچھے لگا دیا کہ وہ آپ ﷺ کا مذاق اُڑائیں، چنانچہ انہوں نے راستہ سے گزرتے وقت آپ ﷺ پر پتھر مارنے شروع کر دیئے۔

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ان پتھروں کے لیے سپر بن جاتے، یہاں تک کہ ان کا سر پھٹ گیا، حضور ﷺ کا جسم لہولہان ہوگیا اور آپ ﷺ کی جوتیاں خون سے بھر گئیں، جب آپ ﷺ زخموں سے چور ہوکر بیٹھ جاتے تو بازو تھام کر کھڑا کر دیتے اور پھر آپ ﷺ جب چلنے لگتے تو پتھر برساتے، ساتھ ساتھ گالیاں دیتے اور تالیاں بجاتے، پتھروں کے برسانے سے آپ ﷺ کو بہت چوٹیں آئیں اور آپ ﷺ زخموں سے بے ہوش ہوکر گر پڑے۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کو اپنی پیٹھ پر اُٹھا کر آبادی سے باہر عتبہ اور شیبہ کے باغ میں

لے آئے، عتبہ اور شیبہ باوجود کفر پر قائم ہونے کے شریف الطبع اور نیک نفس تھے، اس باغ میں بیٹھ کر آپ ﷺ نے دعا فرمائی جو دعائے مستضعفین کے نام سے مشہور ہے، اس دعا کا ایک ایک فقرہ معلوم ہوتا ہے کہ عبدیت اور تواضع وانکساری کے سانچے میں ڈھلا ہوا اور سوز وگداز اور درد وکرب کے عطر میں بسا ہوا ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ طائف کے لوگوں نے آپ ﷺ سے جو بدسلوکی کی اور بدتمیزی کی اس کی وجہ سے آپ ﷺ کس قدر مغموم اور رنجیدہ تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''بارالٰہا! میں تجھ ہی سے اپنی کمزوری و بے بسی اور لوگوں کے نزدیک اپنی بے قدری کا شکوہ کرتا ہوں، یاارحم الراحمین! تو کمزوروں کا رب ہے اور تو ہی میرا رب ہے، تو مجھے کس کے حوالہ کررہا ہے؟ کیا کسی بے گانہ کے جو میرے ساتھ تندی سے پیش آئے یا کسی دشمن کے جس کو تو نے میرے معاملہ کا مالک بنا دیا ہے؟ اگر مجھ پر تیرا غضب نہیں ہے تو مجھے کوئی پرواہ نہیں، لیکن تیری عافیت میرے لیے زیادہ کشادہ ہے، میں تیرے چہرہ کے اس نور کی پناہ چاہتا ہوں جس سے تاریکیاں روشن ہوگئیں اور جس پر دنیا وآخرت کے معاملات درست ہوئے کہ تو مجھ پر اپنا غضب نازل کرے یا تیرا عتاب مجھ پر وارد ہو، تیری رضا مطلوب ہے، یہاں تک کہ تو خوش ہوجائے اور تیرے بغیر کوئی زور اور طاقت نہیں۔''

عتبہ اور شیبہ کے اسی باغ میں عداسؓ نامی ایک شخص نے آپ ﷺ کے دستِ حق پرست پر اسلام قبول کیا، وہ آپ ﷺ کے پاس کچھ انگور لے کر آیا اور آپ ﷺ کے سامنے رکھ دیئے، آپ ﷺ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہہ کر انگور کھانے لگے تو عداس حیرت سے آپ ﷺ کی صورت دیکھنے لگا، آپ ﷺ نے پوچھا: تم کہاں کے ہو اور تمہارا دین کیا ہے؟ اس نے کہا کہ: وہ عیسائی ہے اور نینویٰ کا رہنے والا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: کیا تم اس صالح انسان کی بستی کے ہو جن کا نام یونس بن متی علیہ السلام تھا؟ عداس نے پوچھا کہ آپ کس طرح انہیں جانتے ہیں؟ تو حضور ﷺ نے جواب دیا کہ: وہ میرے بھائی ہیں، وہ بھی نبی تھے اور میں بھی نبی ہوں، عداس نے آپ ﷺ کا نام پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''محمد'' تب عداس نے کہا کہ: میں نے توریت میں آپ کا اسمِ مبارک دیکھا ہے اور آپ کے اوصاف بھی پڑھے ہیں، اس کے بعد اس نے کہا کہ: میں ایک عرصہ سے یہاں آپ کے انتظار میں ہوں، مجھے اسلام کی تعلیم دیجئے، آپ ﷺ کے اسلام پیش فرمانے پر وہ فوری مسلمان ہوگیا اور جھک کر حضور ﷺ کے سر، ہاتھ اور پاؤں چومنے لگا۔

طائف کے اس سفر میں بہت سی باتیں قابلِ توجہ اور لائق تقلید ہیں، پہلی یہ کہ آپ ﷺ لوگوں

کی ہدایت کے لیے بہت فکر منداور بے چین رہا کرتے تھے، مکہ کے مشرکین نے جب دینِ اسلام کوقبول کرنے سے انکار کردیا تو آپ ﷺ نے طائف کے لوگوں کوسمجھانے کے لیے وہاں کا سفر کیا، یہ دلیل ہےاس بات کی کہ آپ ﷺ اُمت کے ہر فردِ بشر کواسلام کے رنگ میں رنگنا چاہتے ہیں۔ نبی ﷺ کے اسی درداور جذبہ کوقرآن کریم میں ان الفاظ میں بیان کیا: ''شاید اے محمد! آپ تو اہل مکہ کے ایمان نہ لانے کےغم میں اپنی جان کھودیں گے۔'' (الشعراء:۳)

سفرِ طائف سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ دشمنوں کے ساتھ آپ ﷺ کا برتاؤ بہت بہتر تھا اورآپ ﷺ کے اخلاق بہت اعلیٰ تھے، اوراسی اعلیٰ اخلاق کے ساتھ آپ ﷺ طائف کے سرداروں اورلوگوں سے ملے اوران کے نازیبا سلوک کے باوجوداپنے عالی اخلاق کوپیش کیا، اوراُمت کوبھی یہ تعلیم دی کہ دعوت وتبلیغ کے لیے داعی کے اندرعمدہ اخلاق اورصبر وتحمل کا ہونا ضروری ہے۔ نبی ﷺ کے انہی اخلاق کوقرآن مجید میں اخلاقِ عظیمہ کہا گیااوراسی کی تکمیل کے لیےآپ ﷺ کومبعوث کیا گیا۔

اس سفر میں ایک نصیحت یہ بھی ہے کہ انسان ہر حال میں اللہ کی طرف متوجہ رہے، خوشی ہو یا غم، راحت ہو یا مصیبت، ہر حال میں اللہ کی طرف رجوع کرنا کامیاب انسان کی دلیل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے طائف کے سفر میں یہی کام کیا، جب طائف والوں نے آپ ﷺ کوسخت ترین تکلیفیں دیں آپ ﷺ کا پورا جسم لہولہان ہوگیا، اس وقت بھی آپ ﷺ اللہ کی طرف متوجہ ہوئے اوراللہ ہی سے مدد کے طلب گار ہوئے۔

واقعۂ طائف میں ایک بات جو سب سے زیادہ اہم اور قابلِ توجہ ہے وہ آپ ﷺ کا عفو ودرگزر ہے، بے انتہا تکلیف دینے والوں کوآپ ﷺ نے معاف کردیا، جبکہ اللہ تعالیٰ نے عذاب کا فرشتہ بھی بھیج دیا تھااورآپ ﷺ کی اجازت کی ضرورت تھی؛ لیکن آپ ﷺ نے کہا کہ: اے جبرئیل! ان کوعذاب میں مبتلا مت کرو، ہوسکتا ہے کہ ان کی اولاد میں ایسے لوگ پیدا ہوجائیں جو میرے دین کو ماننے والے ہوں گے، اسی عفوودرگزر اورصبر وتحمل کا نتیجہ تھا کہ چند ہی سالوں میں طائف کے لوگ ایمان سے مشرف ہوئے۔

اس سفر میں آپ ﷺ تمام تر مصائب وتکالیف کے باوجود تبلیغ کا اہم فریضہ انجام دیتے رہے، جس بستی سے گزرتے، وہاں کے باشندوں کواللہ کے دین کی طرف بلاتے رہے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عتبہ اور شیبہ کے باغ میں کام کرنے والے شخص عداس نے ایمان قبول کیا۔ علماء نے لکھا کہ عداس رضی اللہ عنہ کا ایمان قبول کرنا اس سفر کی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....